© rasailojaraid.com

علامۃ العصر مولانا محمد مدنی مرحوم کا علمی تبحر

تحریر : جناب غلام سرور قریشی عباس پورہ جہلم

خلد آشیانی، جنت مکانی اور مقبول بارگاہ ربانی، عالم بے بدل اور خطیب بے مثل مولانا محمد مدنی کے علمی تبحر کا اندازہ مجھ ایسے طالب علم کے بس کا روگ نہیں ہے۔ کسی بھی علمی شخصیت کی علمی حیثیت پر وہی آدمی کچھ کہہ سکتا ہے۔ جس کا اپنا علمی مرتبہ و مقام اس شخصیت سے بلند تر ہو۔ لہذا ان گزارشات کو راقم کے محسوسات پر ہی قیاس کیا جائے کیونکہ یہ زعم باطل نہیں کہ ان کے بحر علم کا احاطہ کر سکتا ہے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ان کے بے کراں بحر علم سے، اسے اپنی علمی اور روحانی تشنگی فرو کرنے کا موقع حاصل رہا ہے۔ بہر حال اس تحریر کے محترم قارئین یہ خیال نہ فرمالیں کہ مولانا مرحوم و مغفور کے علم کی حدود وہی ہیں جو اس میں مذکور ہوئی ہیں کیونکہ... من آنم کہ من دانم!

علماء کا فرمان ہے کہ علم کی سچی بنیاد ذاتی مطالعہ و مشاہدہ ہے۔ بے تحقیق، بے سند اور بلا دلیل گفتگو کرنا خاصۂ عوام ہے۔ مولانا موصوف اس کوتاہی سے بری تھے۔ آپ دعویٰ پیچھے کرتے، پہلے دلیل لاتے۔ ہمارے ہاں ایک رواج سا پڑ گیا ہے کہ لوگ باگ یونہی بے تکان بولے جاتے ہیں، واہی اور سنی سنائی باتوں کے ذریعے مجالس علمی کو گرماتے ہیں۔ زیبِ داستاں کیلئے کچھ بڑھا دینا تو گویا مباح ہے مگر علامہ مدنی کے ہزارہا خطبات و خطابات میں ڈھونڈنے کو بھی کوئی غیر مصدقہ کلمہ نہیں ملے گا۔

تحقیق و تدقیق ایک نہایت ہی مشکل اور صبر آزما کام ہے۔ یہ علمی شغل وہی لوگ اپناتے ہیں جنہیں علم کی سچی جستجو ہوتی ہے۔ یہ طلب یہ تڑپ اور یہ عادت طالب علم کو علم کے مآخذ و منابع تک لے جاتی ہے۔ اس میں طالب علم کی جان گھلتی ہے۔ ؎ پئے علم چوں شمع باید گداخت مولانا موصوف نے اپنی پوری حیات مستعار کتاب و سنت کی تفہیم میں گزاری وار یہی وجہ تھی کہ ان کا ہر خطبہ قرآن و حدیث رسول اللہ ﷺ کے گوہر آب دار و جواہر نو دیدہ سے مزین ہوتا۔

مولانا موصوف علوم اسلامیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ وہ اس دریا کے شناور و غواص تھے۔ شناور اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفہوم میں کہ اس میدان میں انھیں مہارتِ تامہ حاصل تھی جو ان کی محنتِ شاقہ کا اثر تھی اور غواص اس معنی میں کہ کلام اللہ اور حدیث رسول اللہؐ کے عمق میں اتر جانے کی صلاحیت ان میں موجود تھی۔ وہ تفسیر بالرائے کے قائل نہ تھے مگر قرآن مجید اور حدیث شریف کی ایسی تفسیر فرماتے کہ رسول اللہؐ کا دورِ مسعود آنکھوں کے سامنے آجاتا اور سامعین کو یوں محسوس ہوتا کہ دارِ ارقم سے پھوٹنے والی شمع نور، ان کی آنکھوں کے سامنے آکر جہالت کی ظلمتوں کو چھانٹ رہی ہے۔ سامعین، آپؒ کے کلام بلاغتِ نظام کے استماع میں یوں محو ہوتے کہ حال وقال کی دنیا سے کٹ جاتے اور ایک وجدانی کیفیت میں درسگاہِ صفہ سے بلند ہونے والی انقلابی دعوت کے زیرِ اثر اپنی زندگیوں کو بدل ڈالنے کا عہد کر کے اٹھتے۔

اہل دانش کا قول ہے کہ جب کسی آدمی کے پاس اپنے موقف کی تائید واثبات کیلئے دلائل ختم ہو جاتے ہیں تو وہ سقط گوئی اور کٹ حجتی پر اتر آتا ہے۔ پھر وہ سوقیانہ طرز گفتگو کا سہارا لیتا ہے، مولانا مرحوم کے پاس دلائل کا اتنا وسیع خزانہ تھا کہ اپنے موقف کی صداقت پر ان گنت براہین قاطعہ لاتے اور ہرگز ہجو وہزل کی پستی میں نہ گرتے۔ اپنی گفتگو کا علمی معیار ہمیشہ برقرار رکھتے اور کوئی ایسا انداز تکلم اختیار نہ فرماتے جو اہل علم وادب کو گراں گزرتا۔ ان کا حافظہ دلائل کا خزانۂ عامرہ تھا کیونکہ مطالعہ بہت وسیع تھا اس لئے ہر موضوع پر زبردست دلائل ان کے پاس موجود رہتے۔ الزام تراشی اور الزامی انداز سے ہمیشہ اجتناب فرماتے اور اسے نری تضیع اوقات کہتے۔ وہ اپنا نقطہ نظر، اپنے انداز اظہار میں پیش کرتے۔ ان کے پیش نظر اپنے مقاصدِ جمیلہ ہوتے اور ان کی ساری علمی کاوش اِن مقاصد کے حصول کی خاطر ہوتی۔ انھیں اس سے کوئی غرض نہ ہوتی کہ کوئی کیا کہتا ہے بلکہ وہ اس بات کو سامنے رکھتے کہ انہیں خود کیا کہنا ہے۔ ان کا کوئی بھی موقف خود تراشیدہ نہ ہوتا بلکہ ان کا موقف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہوتا۔ وہ جانتے تھے کہ اس موقف سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی بھی موقف درست نہیں ہے اور قرآن وسنت سے اپنے دعاوی اور اپنی صداقت پر شہادت صحیفۂ فطرت میں سے بھی پیش کرتا ہے۔ یوں وہ صحیفۂ فطرت پر عمیق نظر رکھتے تھے اور دہریہ اور نیچری عقائدِ باطلہ ونظریاتِ کاذبہ کا رد روئے زمین پر پھیلے بے شمار مظاہرِ قدرت اور نوامیسِ فطرت میں پائی جانے والی ہم آہنگی وتوافق کی مدد سے کرتے تھے۔

جملہ علمائے اہل حدیث کی طرح، توحید کا بیان ان کا مرغوب ومحبوب موضوع ہوتا تھا۔ وہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عنوان پر بولتے تو کلام کی گہرائی اور ذخائر سمندروں جیسی ہوتی۔ وہ خطیب تو تھے مگر شعلہ نوا نہ تھے۔ وہ ایک واعظ شریں بیان تھے جن کی آواز کانوں میں رس گھولتی اور تلاوت قرآن کرتے تو کائنات پر سکوت طاری ہو جاتا۔ گویا وقت کی نبض تھم جاتی اور ارض وسماء کی وسعتوں میں ان کی صدائے قرآنی کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا۔ راقم کے ذہن میں ہمیشہ ایک خلجان پایا جاتا تھا کہ روئے زمین کے اطراف واکناف اور بحر و بر میں ایک ہی وقت میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ زلزلوں، سیلابوں اور حادثوں میں مرتے ہیں تو اکیلا ملک الموت ان کی جان کیسے قبض کرتا ہے؟ یہ سوال بارہا دہر یہ لوگوں نے مجھ سے پوچھا مگر مجھ سے اس کا جواب نہ بن پایا چنانچہ اپنا یہ سوال ان کے سامنے رکھا تو زیرلب تبسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ قرآنی آیت ﴿تو فهم الملئكة. الخ﴾ میں اس کا جواب موجود ہے۔ ''جب فرشتے جانیں قبض کرتے ہیں'' یعنی موت کا محکمہ ملک الموت کے سپرد ہے جن کے تحت فرشتے مامور ہیں جو ایک ہی وقت میں ہزاروں جانیں قبض کرتے رہتے ہیں۔ میں نے بھی یہ آیت کریمہ بارہا پڑھی تھی مگر اس جواب کی طرف کبھی توجہ نہ ہوئی۔ اسی طرح قرآن پاک میں ایک جگہ لفظ کافر بمعنی کاشتکار استعمال ہوا ہے۔ مجھے یہ معانی راس نہ آتے تھے۔ مولانا کی خدمت میں یہ اشکال پیش کیا تو فرمایا اس میں کچھ بھی اشکال نہیں ہے۔ وضاحت کی کہ کاشتکار بیج زمین میں چھپاتا ہے اور کافر حقیقت کو دل میں چھپاتا ہے۔ کافر کا دل جانتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا برحق ہے مگر وہ اس حقیقت کو چھپاتا ہے اور اقرار نہیں کرتا۔ کسان زمین میں دانہ پنہاں کرتا ہے اور کافر دل میں ایمان کو پنہاں رکھتا ہے یوں اصطلاحی طور پر کاشتکار کو کافر کہہ دیا گیا ہے اور یہ قرآن پاک کی وضاحت پر ایک دلیل ہے۔

جیسا کہ ابتداء عرض کر دیا گیا ہے کہ یہ تحریر ایک ادنیٰ طالب علم کی ایک عالم متبحر کے بارے میں ہے جو کسی بھی طرح ان کے علمی درجہ ورتبہ کی رفعتوں اور بلندیوں کو نہیں پا سکتا۔ اس موضوع پر اور ان کی کثیر الجہات علمی، اسلامی تدریسی، تبلیغی اور انتظامی شخصیت پر ان کے ہم رتبہ علمائے ہم عصر یا ان کے اخ اصغر مولانا حافظ عبدالحمید صاحب ہی کما حقہ، روشنی ڈال سکتے ہیں۔

مبالغہ حقیقت پر ہوتا ہے۔ مجھے ان کے علم وفضل، زہد وورع، راست بازی ویاکبازی کی حقیقت کا علم ہوتا تو اس پر شاید مبالغہ آرائی وحاشیہ آرائی بھی کرتا۔ میں اعتراف حقیقت کرتا ہوں کہ مجھے ان کے علم وفضل کی سرحد وثغور کی حقیقت کا علم نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com